

اور

مطالعہ مسیحیت سے دلچسپی

ماضی قریب کے بیسیوں اہل علم جن کے تحقیقی کارنامے اس امر کے مستاضی ہیں کہ ان پر مستقل بالذات کتابیں تالیف ہوں، مگر ان کے بارے میں چند تعزیتی تحریروں کے سوا کچھ نہیں ملتا، ان میں سے ایک قاضی احمد میاں اختر جو ناگہی (م ۱۹۵۵ء) ہیں۔ نظم و نثر میں ان سے متعدد کتابیں یادگار ہیں اور برہمی تعداد میں مقالات اور منظومات، ہیں جو رسائل میں دینی ہوئی ہیں۔

قاضی صاحب نے ایک مضمون "اردو کا صحافتی ادب" میں لکھا ہے کہ "کاٹھیاواڑ ایسے دور افتادہ ملک سے بھی ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۳ء میں دو اچھے رسالے میری نگرانی اور ادارت میں جاری ہوئے یعنی "زبان" مسنگول کے اور "شباب" جونا گڑھ کے، دو دو سال جاری رہنے کے بعد بند ہو گئے۔"

”زبان“ مولانا عبدالرحمن خوشتر منگولی کی ادارت میں جاری ہوا تھا اور قاضی صاحب اس کے نگران تھے۔ ثانی الذکر جریدہ ”شباب“ انہوں نے مولانا سید ابوغفر ندوی کے اشتراک سے جاری کیا تھا جس کا مقصد کاٹھیاواڑ میں اردو اور اسلامی علوم و معارف کی ترویج تھا۔

ماہنامہ "زبان" اور قاضی صاحب

مولانا عبدالرحمن خوشتر سنگردلی نے ماہنامہ ”زبان“ کے اولین شمارے میں مولانا عبدالعزیز میمن (م۔ ۱۹۸۰ء) کے ذکر خیر کے بعد قاضی صاحب کے بارے میں لکھا تھا۔^۲

دوسری قابل ذکر ہستی جس کو کوہ گرنار کی پُر انقلاب تلمیذی نے پیدا کر کے قلعہ کوہ سے بھی بلند آسمانِ علم و محمل پر مثلِ کوکب چمکایا، وہ ہمارے دوست قاضی احمد میاں اختر (جو ناگرمی) ایسے وجودِ نیائے ادب میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور جن کے نتائجِ افکار سے ہندوستان کے نامی اور چوٹی کے رسائل مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

--- تا انصافی ہوگی اگر ہم قاضی صاحب موصوف کی ان مساعی جملہ کا اعتراف نہ کریں جو

انہوں نے ترتیب "زبان" کے متعلق معقول مشورہ اور مضامین کی فراہمی وغیرہ میں کی ہیں۔ "مترجمات" اور "اخبار علمیہ" کے عنوانات آپ نے اپنے لیے مخصوص کر لیے ہیں اور بلا تاخیر ہر ماہ مستقل طور پر اس پر لکھنے کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے یا یوں سمجھیے جو کام ہمارا تھا اس کا ذمہ لے کر ہمیں ایک زبردست ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔

قاضی صاحب نے "مترجمات" اور "اخبار علمیہ" کے مستقل عنوانات کے علاوہ "زبان" کے لیے متعدد مقالات لکھے اور ان کی کئی منظومات اس کے صفحات کی زینت بنیں۔ "زبان" اگرچہ گجراتی بولنے والے علاقے سے شائع ہوتا تھا مگر ہر لحاظ سے ایک معیاری جریدہ تھا۔ اسے گجرات کے اچھے اردو لکھنے والوں کا تعاون حاصل تھا اور بیرون گجرات کے بہت سے اہل علم کے مقالات اور منظومات اس کے صفحات میں جگہ پاتی تھیں۔ مترجمات اور طباعت کے بلند معیار کے باوجود "زبان" خریداروں کی کوئی بڑی تعداد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، اس لیے مالی مشکلات کا شکار رہا۔ ستمبر ۱۹۲۷ء سے فروری ۱۹۲۸ء کے چھ ماہ میں اس کا کوئی شمارہ شائع نہ ہو سکا۔ مارچ ۱۹۲۸ء کے شمارے میں مدیر "زبان" نے اپنے قارئین کو اطلاع دی کہ ولی عہد منگلور اور محترمہ عالیہ بیگم مناور نے رسالے کی سرپرستی منظور فرمائی ہے نیز ان کے احباب نے امداد دینے کا وعدہ کیا ہے اس لیے "زبان" شائع ہوتا رہے گا، مگر زبان کا "دور جدید" صرف چار شماروں تک محدود رہا۔ چند سال پہلے خدا بخش اور پبلک لائبریری، پٹنہ (انڈیا) نے ماہنامہ "زبان" کے تمام شماروں کی ایک جاعلگی اشاعت پیش کی ہے۔

قاضی صاحب "زبان" کے دورِ اول (یعنی جولائی ۱۹۲۶ء تا اگست ۱۹۲۷ء) میں بہت نمایاں ہیں۔ زبان کے اوّلین تین شماروں میں موسیٰ ریٹان (م ۱۸۹۳ء) کا لیکچر "علم اور اسلام" (ترجمہ: محمد اسماعیل اصلاحي) شائع ہوا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کے ابتدائے میں لکھا ہے۔^۳

[ریٹان] نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اسلام اور علم دو متضاد چیزیں ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، اس [کے مقالے] کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا اور نہ اس کا جواب سوائے علامہ جمال الدین افغانی کے کسی نے دیا ہے۔ مصر کے ایک عالم یوسف علی سندس نے ریٹان کے اس لیکچر کا عربی میں ترجمہ کیا ہے جس کے شروع میں ریٹان کی مختصر سوانح عمری اور آخر میں بفقوئے الحدید لفظ بالحدید اس کے ہم مذہب، ہم قوم اور ہم وطن موسیٰ مسر کے جواب کا بھی ترجمہ کر کے شامل کر دیا ہے جو اس نے اصل فرانسیسی میں لکھا ہے۔ میری استدعا پر میرے دوست مولوی محمد اسماعیل صاحب نے اس کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن ابھی وہ ریٹان کے سوانح اور لیکچر ہی کا ترجمہ کرنے پائے تھے کہ بعض ضروری کاموں کی وجہ سے اپنے وطن تشریف لے

گئے۔ اب میں موسیو مسر کے جواب کا ترجمہ کر رہا ہوں جو ان شاء اللہ آئندہ کسی اشاعت میں ہدیہ ناظرین ہوگا۔

ریٹان کے لیکچر کا ترجمہ شائع ہوا مگر موسیو مسر کے مقالے کا ترجمہ شائع نہ ہو سکا۔ "زبان" کے دورِ جدید کے شمارہ اول میں مدیر نے افسوس کے ساتھ اطلاع دی کہ قاضی احمد میاں اختر جو ناگرھی کو "سیاست کے دستِ استبداد نے زبان کے لیے قلم اٹھانے نہ دیا۔"

تاہم "زبان" کے بند ہو جانے کے بعد قاضی صاحب نے ریٹان کا لیکچر، موسیو مسر کا جواب، ریٹان کی جانب سے جواب الجواب اور سید امیر علی کا تبصرہ (جو "اسپرٹ آف اسلام" میں شامل ہے) ایک کتابچے کی شکل میں "علم اور اسلام" کے عنوان سے شائع کر دیا تھا۔ البتہ انہیں علامہ جمال الدین افغانی کا مضمون^۶ نہ مل سکا اور وہ شامل ہونے سے رہ گیا۔

"عالم اسلام اور عیسائیت" کے قارئین کی دلچسپی کے لیے ماہنامہ "زبان" (منگول) سے قاضی صاحب کے عنوانات "مترجمات" اور "اخبارِ علمیہ" سے سمیت کے بارے میں چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔

حواشی

۱۔ قاضی احمد میاں اختر جو ناگرھی، مضامین اختر جو ناگرھی، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان (۱۹۸۹ء)، ص ۱۲۳

۲۔ ماہنامہ زبان (منگول)، جولائی ۱۹۳۶ء، ص ۶

۳۔ ایضاً، ص ۱۳-۱۵

۴۔ ایضاً، ۹-۱۰

۵۔ اعظم گڑھ: معارف پریس (۱۹۳۰ء)، ص ۵۸

۶۔ علامہ جمال الدین افغانی کا مقالہ فرامیسی میں تھا۔ اس کے انگریزی ترجمے کے لیے دیکھیے:

Nikki R. Keddie., An Islamic Response to Imperialism: Political and Religious Writings of Sayyid Jamal-ud-Din "al-Afghani" Berkeley: University of California Press (1983), pp. 181-189.

لفظ "مسح" کی اصلیت

اصل میں یہ لفظ عبرانی میں "مسح"، سریانی میں "مشمو" اور کلدانی میں "مشما" ہے جو لفظ "مسح" سے مشتق ہے اور جس کے معنی "مسح" کے ہیں۔ علامہ احمد فارس السدیاق اپنی کتاب "الچاسوس علی

القاموس" (صفحہ ۳۹) میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں میں یہ دستور تھا کہ جب ان میں کوئی بادشاہ بنایا جاتا تو اجباراً یہود اس کے جسم کو تیل ملا کرتے تھے۔ اس لیے جب کوئی "مسح" کیا جاتا تو وہ اس کو "مسح الرب" کہتے تھے، جو ان کے ہاں بادشاہ کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔ جب اپنے القراض مملکت کے بعد یہود مسح (یعنی بادشاہ) کی آمد کے منتظر ہوئے جو ان کو اس ذلت اور تباہی سے نہات دے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور ان سے معجزات ظاہر ہوئے تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کو "مسح ناجی" ماننے لگے۔ مگر انہوں نے جب آپ کو تارک اللہ دنیا اور ان کے فرشتوں کا ارضی نہیں بلکہ سماوی ہونا معلوم کیا تو کہنے لگے کہ آپ کا "مسح" الہی اور روحانی ہے مگر اس قول سے ان لوگوں کی تشفی نہ ہوئی جو مجازی نہیں بلکہ حقیقی "دنیوی مسح" کے منتظر تھے۔ چنانچہ اب تک یہود کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام دراصل مسح نہ تھے۔ بادشاہ یا حاکم کو تیل ملنے کا رواج آج بھی حبش میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کے سلاطین سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اب تک تورات کی بعض سمتوں مثلاً حقنہ، اباحت قسری وغیرہ پر ان کا عمل درآمد ہے۔

اسلام اور دانتے

مجربط (اندلس) کے ایک زبردست مستشرق اور عربی کے جید عالم پروفیسر اسپین نے اٹلی کے نامور شاعر دانتے کی مشہور کتاب ڈیوائن کامیڈی (Divine Comedy) کا مقابلہ اسلامی تصانیف سے کر کے بتایا ہے کہ دانتے نے اپنی کتاب میں اسلامی خیالات سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، اسی پر اکتفا نہ کر کے پروفیسر موصوف نے امام ابن عربی کی تصانیف سے مثالیں پیش کی ہیں اور ان کا مقابلہ دانتے کی عبارت سے کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ مشابہت و مماثلت کوئی اتفاقی حیثیت نہیں رکھتی --- پروفیسر سر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ نے رسالہ "منارۃ" میں اس پر ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔

انگریزی کی ان تمام عظیم الشان اور معرکتہ الراء کتابوں میں جو حال میں شائع ہوئی ہیں، ایک کتاب "اسلام اور ڈیوائن کامیڈی" ہے جس کو اندلس کے ایک مشہور عربی دان عالم پروفیسر اسپین نے (جو مجربط کی یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں) اسپینی زبان میں تصنیف کیا ہے جب پہلے پہل یہ کتاب ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تو یورپ اور امریکہ کے علمی مطلقوں میں خصوصاً دانتے کے شیدائیوں میں ایک ہل چل مچ گئی۔ مؤخر الذکر گروہ کے لیے تو یہ معلوم کرنا یقیناً ایک سخت اور ناقابل برداشت صدمہ تھا کہ کتاب "ڈیوائن کامیڈی" جو قرون وسطیٰ کے کلیسائے کاثولیکیہ کے دینیات، فلسفہ اور علم

الکائنات کی "دائرة المعارف" ہے، اپنی نمایاں خصوصیتوں میں اسلامی مآخذ کی رہیں منت ہے، پروفیسر آسین نے اپنے اس جرأت آمیز نظریہ کی تقویت و اثبات کے لیے زبردست شواہد پیش کیے، میں اور عربی لٹریچر پر اپنے کامل عبور، خصوصاً صوفیائے اسلام میں سے ابن عربی کی تصانیف سے --- اپنی تعمیری واقفیت کا ثبوت دیا ہے۔ پروفیسر موصوف نے ان مشہور اندلسی عالم و فلسفی کی تصانیف کا عاص طور پر مطالعہ کیا ہے جنہوں نے دانتے کی ولادت سے صرف ۲۵ برس پہلے وفات پائی۔ پروفیسر آسین نے ہر دو مصنفین کے کلام میں مطابقت کی کئی مثالیں پیش کر کے دونوں کے طرز بیان اور صوفیانہ استعارات و تشابہ کو بتلایا ہے جو ان دونوں فلسفیوں کی تحریر میں پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد دونوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سر آئرلینڈ لکھتے ہیں۔

دانتے کی مشہور نظم کا موضوع، جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے، دوزخ، اعراف اور بہشت میں لٹاؤ ثانیہ کا بیان ہے۔ پروفیسر آسین دانتے کے بیان کا مقابلہ اسلام کے واقعہ معراج کے بیان سے کرتے ہیں جو عربی لٹریچر میں بہت اہم بات سمجھا جاتا ہے، بعض مسلمان مصنفین نے واقعات معراج کو بطور تاریخی واقعات کے لکھا ہے اور بعض مصنفین نے صوفیانہ رنگ میں ان کا ذکر کر کے اعمال نیک کے ثواب اور گناہوں کے عذاب کے متعلق ان کو اخلاقی تعلیم کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہم اس وقت ان جزئیات کو پیش نہیں کرنا چاہتے جن کو پروفیسر آسین نے فاضلانہ طور پر پیش کیا ہے کیونکہ یہ کتاب اب انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے اور انگریزی دان اصحاب کے لیے سہل الحصول ہے۔ پروفیسر موصوف کی پیش کردہ متعدد مثالیں ایسی واضح اور مطابقت ہیں کہ ان کو اتفاقات میں نہیں شمار کیا جاسکتا۔ صمناً یہ کتاب مذہب اسلام کے مطالعہ اور قرون وسطیٰ کے یورپ پر اسلامی اثرات پر بہت روشنی ڈالتی ہے۔

کتاب سعد السعود

ایران کے ایک نامور عالم شیخ ابو عبد اللہ زہدانی نے مصر کے نامور ادیب احمد تیمور پاشا کو ایک خط لکھا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں۔

مجھے کتاب "سعد السعود" دستیاب ہوئی ہے جس کو ۶۵۱ھ میں علی بن موسیٰ بن محمد الطائوس نامی امامیہ کے ایک عالم نے تالیف کیا تھا۔ اس کا موضوع یہ ہے کہ موفک نے

صنف سادہ مثل قرآن، توراۃ، انجیل، صنف ادیس اور قدامہ کی چند تفاسیر فی سبیل اللہ وقف کر دیں جو اگرچہ آج ہمارے پاس موجود نہیں ہیں تاہم ابن الندیم نے "الفہرست" میں ان کا ذکر کیا ہے، مؤلف نے ان ہی کتابوں سے عمدہ اور مفید اقتابات اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔ ان منقولات میں سب سے زیادہ اہم ایک نسخہ انجیل کی آیات ہیں جن کے شروع میں لکھا ہے "شرح انجیل جس کو مالک مطران --- نے امیر المومنین الامون کے لیے اس سن میں تصنیف کیا جبکہ لفظ یہ نے یعاقبہ پر خروج کیا تھا اور ظیفہ نے اس کی اعانت کی تھی۔ سریانی سے عربی میں دوغول زبانوں کے علماء کی موجودگی میں مستقل کیا گیا۔ انجیل کا وہ نسخہ (سریانی) اصل نسخہ سے نقل کیا گیا تھا اور یہ نسخہ اس (سریانی) نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔

اس انجیل کی آیات اور موجودہ انجیل کی آیات میں بھی فرق پایا جاتا ہے صنف ادیس کو مؤلف نے کوفہ کے "مشہد الطاہر" کے وقف کی ایک کتاب سے نقل کیا ہے جس پر "سنن ادیس" لکھا ہوا تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ
بخط عیسیٰ مرمر، سریانی سے عربی میں ابراہیم بن ہلال بن ابراہیم بن ہرون الصابی الکاتب نے نقل کیا۔

ہرون غالباً زھرون کا محرف ہے اور یہ صابی وہی مشہور و معروف مترجم اور الٹا پرداز ہے۔ بہر حال اس کتاب سے بہت سے علمی، ادبی اور تاریخی معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

ایک فرانسیسی کی تعریف اسلام

موسیو سرور (Servier) ایک فرنیچ مشنری مصنف ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہر وقت زہر انگنے پر مستعد رہتا ہے۔ حال میں اس نے ایک کتاب "سائیکالوجی آف دی مسلمان" کے نام سے لکھی ہے۔ سٹراے - کن روس (Kinross) انگریزی کے رسالہ "انگلش ریویو" میں اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انگریز لوگ اسلامی ترقی کو ممکن خیال کرتے ہیں جبکہ موسیو سرور اس کو نہیں تسلیم کرتے۔ ان کے نزدیک مذہب اسلام ایک وقتی مذہب ہے جو منہج، مردہ اور ناقابل تغیر و ترمیم ہے۔ اس کے خیال میں نصف تعلیم یافتہ مصریوں ہی نے اپنی قومیت کا زہر تمام عالم اسلامی میں افریقہ کے فرنیچ مقبوضات تک پھیلا رکھا ہے۔
مسٹر کن روس موسیو مذکور کے ان سٹیج پر چیلنج دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کیا ایک مسلمان مصنف موسیو سرور کے تنبیہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ عیسائی مذہب ایک خاص وقت کے لیے تھا اور کہ وہ منہج، مردہ اور ناقابلِ ترمیم ہے اور کیا وہ اس کی دلیل چھین کر اہل پرودشیا کو مثال میں نہیں پیش کر سکتا جنہوں نے نائرہ جنگ و جدال مشغول کیا اور صلح کو اپنی قرباب بازیں سے اڑا دیا؟ کیا وہ روم اور کلیسائے روم کو پیرو (Pero) میں اہل اسپین کی کارروائیں، سینٹ بارتھولیمیو کی خون ریزیوں، اور ملین کے "اولیائے مقتول" (Slaughtered Saints) اور اسی قسم کے چھوٹے بڑے مقام سے تعبیر نہیں کر سکتا؟

موسیو مذکور کے حق میں یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ وہ ان مسلمانوں سے غائف معلوم ہوتے ہیں جبکہ ہمیں ان سے کوئی خوف نہیں ہے۔

اکبر کا مذہب (عہدِ مغلیہ کی تصاویر پر سے)

ریورنڈ ایچ۔ ہراس نے جو سینٹ زیور کالج (ممبئی) میں تاریخ کے پروفیسر ہیں، "مغلیہ تصاویر اکبر کے مذہبی مباحثات پر" کے عنوان سے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں بریر صدارت سر لوبھائی شاہ ایک دلچسپ لیچر دیا تھا، جس کا مقصد حسبِ ذیل ہے۔

ابتداء میں مقرر نے کہا کہ وہ صناعی نقطہ خیال سے اس موضوع پر کچھ نہیں کہے گا۔ بلکہ وہ صرف ان تصاویر کے اکبر کے مذہبی مباحثات پر ایک تاریخی تبصرہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ مقرر نے کہا کہ یوں تو تمام تاریخ دستاویزی سندت پر مبنی ہوا کرتی ہے مگر نقوش و تصاویر بھی مستند دستاویزی ہونے کے لحاظ سے استناد کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ اکبر ایک صوفی مزاج بادشاہ تھا۔ اس نے دیکھا کہ ہندوستان کا اتحاد تمام تر مذہبی اتفاق پر منہور ہے، لہذا اس نے مذہبی مباحثوں کو ترقی دی۔ متعدد تواریخ سے اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے۔ اس کا مزید ثبوت اس "عبادت خانہ" سے ملتا ہے جس کو اکبر نے ان مباحثات کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ وہاں تمام مذاہب کے نمائندے ہندو، پارسی، عیسائی، مسلمان، یعنی اکبر کی سرپرستی میں جمع ہوتے تھے۔ ۱۵۷۳ء سے ۱۵۷۹ء تک اکبر ہندو مذہب کے زیر اثر تھا جس کی وجہ راجپوت کماریلوں کے ساتھ اس کا عقد اور بیربل کی مصاحبت تھی اور دستورِ مہرجی رانا کے دربار اکبری میں شامل ہونے کی وجہ سے زردشتی مذہب کا اثر اکبر پر پڑا۔ چنانچہ یہ کہا جاتا تھا کہ اگرچہ اکبر اپنے دل سے ایک صوفی ہے مگر وہ رسومِ مذہبی کے لحاظ سے پارسی ہو گیا ہے۔ یہ اثر ۱۵۸۰ء سے ۱۵۸۳ء تک رہا۔ پھر اکبر نے اپنے دربار میں تین یسوی پادریوں کو بلا لیا۔ چنانچہ ۱۵۸۳ء سے ۱۵۸۷ء تک اس کا میلان عیسائیت کی جانب رہا۔ قادر مونسٹراٹ اور قادر اکوا

ویو مشہور عیسائی تھے جنہوں نے اکبر پر یہ اثر ڈالا تھا۔

اس کے بعد مقرر نے ان تینوں تصویروں کو جو عبادت خانہ کی تھیں، پیش کیا۔ یہ تصاویر پونا سے ہاتھ لگی تھی جہاں غالباً عہد پیشوا میں آگرہ سے لائی گئی تھیں۔ ان تصاویر میں درختوں سے گھری ہوئی چھوٹی سی ایک پہاڑی کے دامن میں اکبر مختلف مذاہب کے علماء کے بیچ میں بیٹھا ہوا ان کے مباحثہ میں سرگرم نظر آتا ہے۔ مقرر کا قیاس ہے کہ یہ پہاڑی فتح پور کے قریب ہوگی۔

مسیح علیہ السلام کے وجود سے انکار

مندرجہ بالا عنوان سے ولایت کے مشہور اخبار "نیشن" نے اپنی تازہ اشاعت میں ایک مقالہ شائع کیا ہے جس کا مخلص حسب ذیل ہے۔

امریکہ کے ایک شخص جارج برائنس نے (Jesus: A Myth) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح کی شخصیت بالکل موضوع اور من گھڑت ہے، جیسے کہ ہر کلیں اور پرامیتھس کی شخصیتیں لوگوں نے وضع کر لی ہیں۔ یہ کوئی جدید نظریہ نہیں ہے، تنقید بائبل کے آغاز سے ہی اس کی ابتداء ہو چکی ہے جس کو تقریباً ڈیڑھ سو سال ہو چکے ہیں اور اس نظریہ کی ترقی یافتہ صورت کو پچاس سال سے زائد عرصہ نہیں گزرا۔ یقیناً یہ مسئلہ ارتقاء مسیحیت کے مطالعہ کی راہ میں حائل ہونے والی مشکلات کے لیے بہت جلد حل طلب ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عہد نامہ جدید تاریخی حیثیت سے بالکل پایہ استناد سے گرا ہوا ہے، اور کئی صدیوں تک اس کی صحت کے متعلق کوئی سوال پیدا نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تاریخی تنقید کے اصول مدون ہونے سے پہلے کلیسائے عیسوی کا اقتدار و اثر پورے عروج پر تھا، اور صدیوں تک جو لوگ اس بات کو ماننے کے حادی ہو چکے تھے کہ ہومر کی ایڈ کی تلفیجس جنگ تروجن (Trojan) کو براۓ العین مشاہدہ کرنے والے ایک شخص نے تیار کی ہے اور جو قسطنطین کے موضوع "عطیہ" کو بلا جھل و چرا تسلیم کرتے رہے، وہ کبھی اس اساسی دستاویز پر اعتراض نہیں کر سکتے تھے جو ان کے مذہب کی مؤید تھی۔ حتیٰ کہ مارٹن لوتھر نے بھی اناجیل اربعہ کے اتحاد مضامین پر اپنے عدم اطمینان کو صاف طور پر ظاہر کر دیا۔

۱۷۸۲ء میں جرمن عالم کارل فرائد رخ بہروت نے اس نظریہ کو ترقی دی کہ مسیح فرقہ الستر (Essenes) کی ایک پوشیدہ جماعت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح تھا جس کے ذریعہ سے وہ یہودیوں کو اپنی مادی رسم "مسیح" کے خیال سے ہٹا نا چاہتی تھی۔

پون صدی کے بعد برنباؤر حیات مسیح سے متعلق پختہ معاصرانہ شہادت کی عدم موجودگی میں کوئی معقول عذر تلاش کر رہا تھا۔ اس نے "مخفی انجمن" کے اس نظریہ کو ایک نئی تحریک دی، اور برٹی جرات

سے اناجیل کی تاریخ تصنیف (دوسری صدی عیسوی) سے مفر کرتے ہوئے اس بات کو ظاہر کیا کہ مسیح کا قصہ یزادشاہ روم کے عہد میں ایجاد ہوا ہے۔ اور اس پر آج تک حاشیہ آرائی ہوتی رہی ہے۔ اس نے یہ استدلال کیا کہ عہد جاہلیت (قبل مسیح) کے فلاسفر، خصوصاً سینیکا (Seneca) عیسائیت کے ان اخلاقیات کی تدوین بہت پہلے کر چکے تھے، البتہ وہ اپنے خیالات کی عام اشاعت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے لوگوں نے ان کو ایک ایسی شخصیت سے منسوب کرنا چاہا جس میں "ما فوق الفطرہ" ہونے کی دلکشی پائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مسیح کا اسطورہ (Myth) وضع کر لیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے نظریات تاریخی مشکلات کو حل کر دیتے ہیں، لیکن وہ اس "ما فوق الفطرہ مصنوعی شخصیت" سے تو بہر حال کچھ کم ہی قابل اعتماد ہوتے ہیں۔۔۔ [ان نظریات کے حامل لوگ حضرت مسیح کے ان معجزات کی یہ نسبت اپنے نظریوں کے لیے زیادہ اعتماد کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ اور اس بات کو یاد دلاتے ہیں جو کسی حقیقت مند نے ایک مشہور معقولی سے طعناً لگئی تھی کہ "وہ ہر بات کو ماننے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ وہ بائبل میں نہ ہو۔" اسطیل دراصل اس قدر موضوع اور مضبوط نہیں ہوا کرتے جس قدر کہ ان کی روایت کا طریقہ ہوتا ہے یعنی کہ وہ ایک کے منہ سے لکل کر دوسرے کے منہ تک پہنچتے پہنچتے کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اگر مسیح کی شخصیت ایک قصہ کہانی ہے تو وہ کسی مخفی انجمن کی وضع و اختراع نہیں ہے بلکہ رفتہ رفتہ انسانی ضرورت اس کو وضع کرنے کی داعی ہوئی ہے۔

یقیناً عیسائی یا ملحد علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات پر اتفاق کرے گی کہ "روایات کا مسیح" "تاریخی مسیح" سے بالکل جداگانہ ہے اور اکثر لوگ اس کو تسلیم کریں گے کہ یہ اسطورہ خواہ کتنا ہی غلط اور قابل اعتراض ہو، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ضرور کوئی تاریخی شخصیت ہوئی چاہیے جس کے متعلق لوگوں نے بعد میں مبالغہ کر دیا ہے۔

تاناہا شد چیز کے مردم نگوہند چیزہا

مسیح کے وجود سے متعلق اطمینان بخش شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے اور اگر یوسی فس کا دستیاب ترجمہ، جس میں مسیح کا ذکر موجود ہے (اور جسے عام طور پر زمانہ مابعد کی تفسیر سمجھا گیا ہے) فی الحقیقت اتنا ہی قدیم ہو جتنا کہ کہا جاتا ہے تو مسیح کے تاریخی وجود کا یہ ایک بین ثبوت ہو سکتا ہے۔

